معرفت الٰہی اور انسان کی قلبی و ذہنی صلاحیتیں

رشحات فکر — اخویم محترم — پروفیسر عبدالغنی صاحب، ایم اے چشتی، نیازی، نظامی

دنیاوی امور میں کسی شخص یا چیز کی بابت انسانی علم کے تین درجے ہوتے ہیں۔

(اول) دوسرے کی اطلاع کو صحیح مان لینا۔ لیکن خود اس کے متعلق کوئی تحقیق نہ کرنا۔ یہ علم ویقین کا ابتدائی درجہ ہے۔

(دوم) دوسرے شخص کی اطلاع کے متعلق خود بھی کچھ جانچ پڑتال کرنا۔ اس سے علم ویقین زیادہ پختہ ہو جاتا ہے۔

(سوم) خود اس شخص یا چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا اور اس سے متعلق ذاتی تجربات کر کے معلومات حاصل کرنا۔ یہ علم ویقین کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد مشاہدہ اور اطمینان قلب پر قائم ہوتی ہے

غیر مادی اشیاء کے ادراک کے آلات دوسری نوعیت رکھتے ہیں، اور اس کے بھی درجات ہیں۔ لیکن دینی امور میں، بالخصوص جن کا تعلق مُغیبات سے ہے۔ انبیائے کرام کی تعلیمات پر بصمیم قلب ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ غیبی امور کو سمجھنے کے لئے عقل نبوی کی ضرورت ہے، جو کسی غیر نبی کو عطا نہیں ہوتی۔ اس معاملے میں ذاتی تحقیق سے اطمینان قلب کی کوشش کرنا کمال کے بجائے گمراہی ہے۔

دینی امور کا ایک پہلو احکام الٰہی اور ان کی تعمیل سے متعلق ہے۔ ان کی اشاعت وحی و نبوت کے ذریعہ دُنیا میں ہو چکی اور دین اسلام کی تکمیل کر دی گئی۔ اب کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ انہی احکام الٰہیہ یعنی شریعت اسلامیہ کی اشاعت علمائے شریعت کے ذریعہ تا قیامت دُنیا میں ہوتی رہے گی۔

لیکن اللہ سے عشق و محبت اور اس کی جانب قلب انسانی کی کشش بھی انسانی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، چنانچہ ان امور کا تعلق ولایت محمدیؐ سے ہے۔ اور خدا رسی کے لئے اولیائے کرامؒ و علمائے طریقت کی پیروی لازمی ہے۔

ہر چند کہ دین کا یہ باطنی پہلو، جو عشق الٰہی اور قلب انسانی سے تعلق رکھتا ہے دین کے ظاہری پہلو سے بدرجہا بہتر ہے بلکہ دین کی روح اور اسلام کا جمال و کمال یہی ہے۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل جانشینی کے لئے ہر دو کا اجتماع ضروری ہے — بزرگان دین نے اس معاملے میں سخت تاکید کی ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ طریقت و معرفت خزانہ اور شریعت مطہرہ ایک قلعہ ہے خزانہ کی حفاظت ایک قلعہ کے بغیر ناممکن ہے۔ داتا گنج بخش ہجویریؒ اپنی مشہور کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:-

"ظاہر بغیر امتزاج باطن کے منافقت ہے۔ اور باطن بغیر شمول ظاہر کے زندقہ ہے۔ شریعت کا ظاہر بلا باطن نقص ہے اور باطن بلا ظاہر ہوس ہے۔"

معرفت کی بابت بعض اکابر صوفیہ کا قول ہے کہ جسے علم معرفت نہیں اس کے قلب پر جہل کی موت طاری ہے۔

اس کے بھی تین مدارج ہیں، ماننا۔ جاننا اور پہچاننا۔ جنہیں اصطلاح تصوف میں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کہتے ہیں، اور

اوراس میں بھی وہی عوامل کارفرما ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا قبل اس کے کہ معرفت حق تعالیٰ کی اہمیت کی بابت کچھ اور لکھوں دو مغالطے دور کرنا چاہتا ہوں جن میں مغربی تعلیم کے شکار حضرات عموماً مبتلا رہتے ہیں۔

اوّل۔ کسی کو مرشد بنانے اوراس کی اطاعت کرنے کے ذکر پر ان حضرات کا جذبہ احساس برتری اُبھر آتا ہے اور سرکش نفس کان میں کہتا ہے کہ کسی کو اپنا رہنما بنانا عزت نفس کے خلاف ہے حالانکہ دنیا کے ہر معاملے میں اُن کا شوق کسی اُستاد کے بغیر نہیں چلتا۔

دوم۔ دینی اُمور میں بھی یہ حضرات سائنسی طریقہ تحقیق کا اطلاق چاہتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ پھولوں کی خوشبو کو ترازو میں نہیں تولا جا سکتا۔

بہرحال اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حقائق کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

اوّل۔ امور دینی ہوں یا دنیوی ہمارے علم و عرفان کے ہر مرحلے میں ہماری رہنمائی کوئی دوسرا شخص کرتا ہے یا کوئی بہتر قوت کرتی ہے ممکن ہے کہ وہ ہماری بیدار شدہ ذہنی یا ایمانی قوت ہی ہو، لیکن ہماری ذہنی وایمانی قوتوں کو بیدار کرنے میں بھی کوئی دوسرے مؤثر عوامل کام کرتے ہیں قوتیں خود بخود بیدار نہیں ہو جاتیں

دوم۔ عقیدہ اور ایمان (FAITH) کے بغیر نہ علم میں ترقی ہو سکتی ہے نہ عرفان میں، علم و عرفان ہی پر کیا منحصر ہے FAITH کے بغیر عملی زندگی میں بھی انسان ایک قدم نہیں اُٹھا سکتا جب ہم دنیاوی امور میں اپنے سے بہتر اشخاص کے اقوال و تجربات پر ایمان لانے کے لئے مجبور ہیں تو انبیائے کرامؑ اور اولیائے عظامؒ کے تجربات و بیانات پر ایمان لانے میں پس و پیش کیوں ہو تمام سائنسی اصولوں کا آغاز بھی کسی نہ کسی مفروضہ سے ہوا پہلے کوئی بات کسی کے دماغ میں بطور الہام آتی ہے وہ اسے صحیح مان کر تجربات شروع کرتا ہے۔ اور مدت العمر کی عرق ریزی کے بعد مذکورہ الہام کی تصدیق ہوتی ہے اس کے بعد ساری دنیا اس حکیم کے قول پر ایمان لے آتی ہے، اگر حکیم اپنے الہام کو صحیح نہ مانتا تو جو کچھ آگے ہوا کچھ بھی نہ ہوتا مختصر یہ ہے کہ "سائنسی تحقیق" کی ابتدا اور انتہا (یعنی دنیا کا اس پر عملدرآمد) دونوں محض FAITH (ایمان بالغیب اور عقیدہ) پر قائم ہیں، اسی طرح پہلے اولیاء اللہ کے عقائد کو صحیح ماننا ضروری ہے۔ اس کے بعد اگر ہم نے انہی کی طرح عبادات اور ریاضت و مجاہدہ کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کی طرح تجربات بھی حاصل نہ ہوں، اور کچھ نہ ہو گا تو صحیح راستہ پر تو چل ہی پڑیں گے، اور مرنے سے پہلے جہاں تک اللہ کی مرضی ہو گی پہنچ جائیں گے۔ ان لوگوں سے تو بہرحال اچھے رہیں گے جو غلط راستہ پر چل رہے ہیں۔

عرفائے کاملین اور اولیائے صادقین چشم بصیرت سے نور یقین کے ساتھ ہر وقت اللہ تبارک تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے اور صرف اس کی محبت میں زندگی گزارتے ہیں اسی کا نام معرفت ہے اسی کو حدیث احسان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اور یہی فقر و تصوف کا اصل مقصود ہے، کہ اللہ کی عبادت بامشاہدہ ہو، مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ایک بار فرمایا کہ لا اعبد ربا لم اراہ یعنی میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کرتا جسے میں دیکھ نہ سکوں۔ نور حق بچشم سر سے نہیں چشم دل سے نظر آتا ہے چشم دل سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ قلب اس ذات حقیقی کو نور یقین کے ساتھ دیکھے (اور یہ اولیاء اللہ یا ان کے جانشینوں اور نائبوں کی بیعت و اطاعت کے بغیر ناممکن ہے

حقیقتاً یہ تمام کائنات پیدا ہی اس لئے کی گئی ہے کہ خالق کائنات کو پہچانا جائے، حدیث قدسی ہے کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقتک یا محمدؐ۔ یا فخلقت الخلق — یعنے تھا میں ایک خزانہ مخفی۔ پس چاہا میں نے کہ پہچانا جاؤں۔ پس خلق کیا میں نے اے محمدؐ تم کو۔ یا خلق کی میں نے یہ کائنات (اس حدیث شریف میں متعدد نکات سمجھنے کے ہیں، جن کی تفصیل عرفاء کی غلامی کے ذریعہ سمجھی جا سکتی ہے محض کتابوں سے سمجھ کر پورا فائدہ نہیں پہنچ سکتا) اور قرآن پاک میں ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ یعنے نہیں پیدا کیا ہم نے جن و انس کو مگر عبادت کے لئے۔ عرفائے کاملین فرماتے ہیں کہ یہاں لیعبدون سے مراد لیعرفون ہے، یعنی

جن وانس کو پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کو پہچانیں۔ لہٰذا اب جبکہ ہماری تخلیق کا مقصد ہی معرفت الٰہی ٹھہرا تو ہمارا خاص الخاص فریضۂ حیات یہی ہونا چاہئے کہ ہم حصولِ عرفان کے ذریعے اور طریقے معلوم کریں۔ اور انہی کو بدل وجان اختیار کریں تاکہ معرفت حقہ حاصل ہو۔ عرفائے کاملین کے نزدیک انہی طریقوں اور ذریعوں کا علم حقیقی، ضروری اور مفید ہے۔ علم کی دیگر شاخیں معرفت کے لئے غیر ضروری ہیں۔ اسی بنا پر عرفائے کاملین نے علم کو دو بڑی بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے (۱) علم ظاہری (۲) علم باطنی یا لدنی۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ ایک کو علم معاملہ اور دوسرے کو علم مکاشفہ کہتے ہیں، علم کی ان دو قسموں کے حصول کے ذریعے، طریقے اور ان کے نتائج سب ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

علم ظاہر کا تعلق دماغ سے اور علم باطن کا تعلق قلب سے ہے۔ علم ظاہری کے حصول کا خاص ذریعہ عقل ہے جس کے کمال کا انحصار انسان کے حواس خمسۂ ظاہری کے کمال پر ہے۔ جس حد تک حواس خمسۂ ظاہری ترقی یافتہ ہوں گے۔ اسی حد تک عقل کی ترقی ہوگی۔ لیکن حواس خمسۂ ظاہری کمال کے باوجود محدود ہی رہتے ہیں اس لئے عقل بھی اپنے کمال کے باوجود محدود ہی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی رسائی صرف عالم محسوسات تک ہے۔ اس سے آگے یعنی قلب کی دنیا میں وہ ہماری رہنمائی نہیں کرتی اور زبان حال سے کہتی ہے۔

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

غیبی امور اور اسرار الٰہیہ کی دنیا اس کی دسترس سے باہر ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسرار باطنی کو بے نقاب کرنے کے لئے کشف، الہام اور عشق و وجدان جیسی قوتوں کی ضرورت ہے۔ اور انہی کی مدد سے ہم اسرار الٰہیہ کی معرفت اور قرب خداوندی حاصل کر سکتے ہیں۔ اب یورپ کے فلاسفر بھی یہی کہتے ہیں۔ حالانکہ اولیائے اسلام پونے چودہ سو سال سے ان حقائق کا اظہار کر رہے ہیں، صرف نظری و علمی حیثیت سے نہیں، بلکہ انہی اصولوں پر اپنے نظام تعلیم و تربیت کی بنیاد رکھ کر طالبان حق کو عملاً منازل قرب پر فائز کرتے آرہے ہیں۔ یورپ کے فلاسفر ابھی صرف غور و خوض اور تخمین و ظن کی منزل تک پہونچے ہیں، عملی راہ کا سرا بھی ہاتھ نہیں آیا۔ منزل رسی کا کیا ذکر ہے۔ دماغی ترقی میں البتہ وہ بہت دور نکل گئے ہیں، لیکن دماغ کو بھی اپنے آقا و خالق کی فرماں برداری کرنے میں قلب کی مدد کرنا چاہئے۔ مولانا رومؒ نے خوب فرمایا ہے

علم را بر دل زنی یارے بود علم را بر تن زنی مارے بود

یعنی اگر علم کی مدد سے قلب کی اصلاح کرو گے تو وہ تمہارا دوست ہے۔ لیکن اگر اس سے صرف آسائش جسمانی کے بڑھانے میں کام لوگے تو وہ سانپ بن کر ایک دن ڈس لے گا۔

بہرحال علم باطن کو علوم ظاہر پر جو فضیلت حاصل ہے وہ منجملہ دیگر ثبوت کے اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ خود باری تعالیٰ صاف و صریح الفاظ میں ارشاد فرماتا ہے۔ والیوم لاینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم یعنی اور وہ دن جبکہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ مگر جو شخص کہ اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا۔ یہ ارشاد کہیں نہیں ہے کہ اللہ کے پاس بہترین دماغ لے کر آؤ۔

دریں حالات ظاہر ہے کہ دماغ کا وہی وصف لائق ستائش اور مفید مطلب ہو سکتا ہے جو انسان کو سلامتی قلب کی طرف لے جائے باقی دماغی اوصاف کی اسلام یا اسلامی تصوف ممانعت نہیں کرتے۔ وہ صرف اس امر کی تاکید کرتے ہیں کہ باقی اوصاف دماغی بھی اسی

وقت قابل ستائش ہیں، جبکہ وہ سلامتی قلب میں مدد دیں، اسلامی اور غیر اسلامی ترقی میں صلاح و فلاح قلب ہی حد فاصل قائم کرتی اور خط امتیاز کھینچتی ہے۔

وحی و نبوت اور امر ولایت و معرفت کی ضرورت بھی اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ صرف عقل انسانی انسان کو درجۂ کمال تک نہیں پہونچا سکتی۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو انسان کی رہنمائی کے لئے صرف اس کے حواس خمسۂ ظاہری کافی سمجھے جاتے اور خدا نے وحی و الہام اور انبیاءؑ اور اولیاءؒ جیسی قوتوں اور ہستیوں کو انسانی دنیا سے علیحدہ ہی رکھا ہوتا۔

بہر حال پہلے مذکور ہو چکا ہے، کہ انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کرے جس نے یہ مقصد متعین اور واضح کیا ہے۔ اسی نے یہ بھی بتا دیا ہے۔ کہ اس کی معرفت کا بہترین طریقہ کیا ہے چنانچہ حدیث قدسی ہے[۱] من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انسان پہلے اپنے آپ کو پہچانے۔ لیکن اپنا پہچاننا بھی اتنا آسان نہیں ہے جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان بظاہر محدود اور بباطن ایک غیر محدود ہستی ہے وہ اپنے باطن کی شناخت کرنے اور اس کی بلندیوں تک پہونچنے کے لئے وجدان و عشق اور کشف و مشاہدہ کی محتاج ہے جو اولیائے سلامؒ پر پختہ ایمان اور ان کے مقرر کئے ہوئے اصولوں پر عمل کئے بغیر ممکن نہیں اور جب تک کسی تجربہ کار رہنما کی اطاعت نہ کی جائے انسان معرفت حق تعالیٰ کی عمیق وادیوں میں بھٹکنے سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

مذکورۂ بالا امور پر ایمان و عمل کے بغیر نہ حیات صالحہ کی ابتدا ہوتی ہے نہ قلب درست ہوتا ہے نہ اللہ کی نظر میں کوئی عمل مقبول ہوتا ہے نہ اللہ سے محبت پیدا ہوتی ہے نہ کشف صدق کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ (مستثنیات کا ذکر نہیں ہے بالعموم ایسا ہی ہوتا ہے) ان تمام باتوں کیلئے خدا رسیدہ ہستیوں کا دامن پکڑنا۔ ان سے علم باطن حاصل کرنا۔ ان کی صحبت و خدمت اختیار کرنا۔ اور ان کی اطاعت پورے ایمان و اعتماد FAITH کے ساتھ کرنا لازمی ہے۔ تمام بزرگان دین نے ایسا ہی کیا ہے۔ ہمارے لئے تو اور ضروری ہے کیونکہ یہی حضرات علم باطن کے ماہر اور اسرار الٰہیہ کے عارف ہوتے ہیں۔ جب تک یہ رہنمائی نہ کریں نہ ہمارے عقائد درست ہو سکتے ہیں، نہ ہماری ملائی ذہنیت ختم ہو سکتی ہے نہ ہم اپنے لطیفوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، بالفاظ دیگر ہمیں خود اپنی حقیقت کا پتہ نہیں لگتا نہ ہماری وہ قوتیں بیدار ہوتی ہیں، جو خود ہمارے لطیفوں کو ہم پر واضح کریں، اپنی حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ہی کائنات اور خدا کو سمجھنا ممکن ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ صحیح فہم و معرفت کی انتہا تو ہے ہی نہیں۔ جتنا ڈوبو گے اتنا حق سے قریب ہوتے جاؤگے بس اس منزل کے مزید بیان سے زبان قلم قاصر ہے۔

لیکن یہ امور ان لوگوں کے لئے ہیں۔ جو اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ ان کے لئے نہیں ہیں۔ جن کا مقصود حیات واضح نہیں ہے۔ یا اللہ کے سوا کچھ اور ہے۔ ایسی صورت میں قرآن پاک کا فیصلہ یہ ہے، لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ٭

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی ، تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن (اقبال)

---

[۱] بعض لوگ اسے حضرت علیؓ کا قول بتاتے ہیں بہر حال اس حیثیت سے بھی یہ قول اہل اللہ اور طالبین حق کے لئے مستند ہے۔